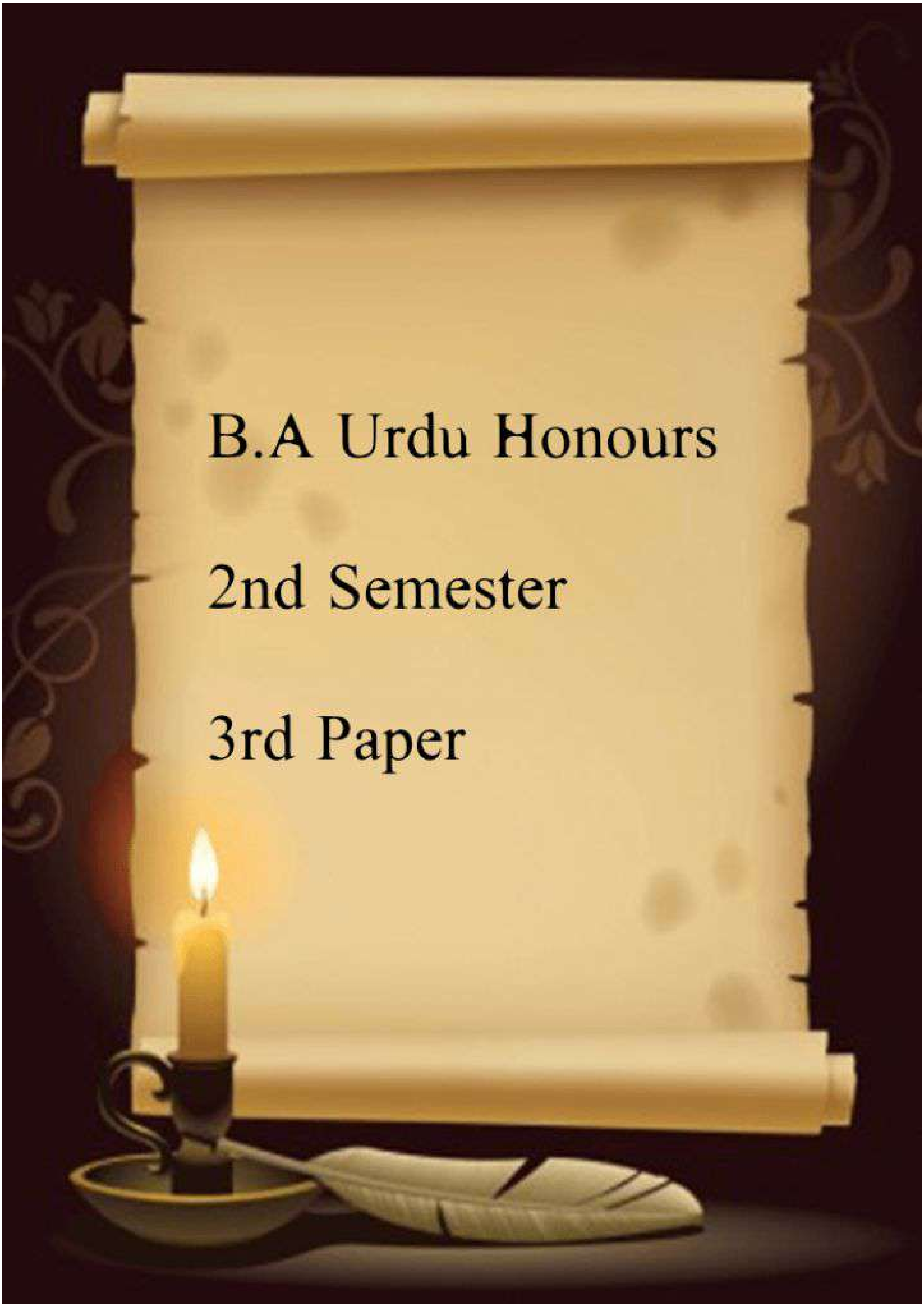

B.A Urdu Honours

2nd Semester

3rd Paper

(Sem-II-)
CC-03
[Classical Poetry]

(1)

ولی دکنی کی شخصیت

Page No:
Date: / /

ولی کی زندگی کے گرد ایک گہری دھند چھائی ہوئی ہے۔ ان کے حالات زندگی کے بارے میں قطعیت کے ساتھ کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ تذکرہ نگاروں میں بات بات پر اختلاف ہے یہاں تک کہ بہت دنوں تک ان کے نام کے بارے میں اختلاف رہا۔ ان کے وطن کا مسئلہ بھی معرض بحث میں رہا ہے۔ ڈاکٹر نورالحسن ہاشمی انھیں اورنگ آبادی قرار دیتے ہیں تو دوسری طرف ڈاکٹر سید ظہیر الدین مدنی انھیں گجرات کا باشندہ بتاتے ہیں۔

ولی کے نام اور وطن کے بارے میں اختلاف ہو سکتا ہے لیکن اس بات پر تمام نقادوں کا اتفاق ہے کہ اردو شاعری میں انھیں عظیم مقام حاصل ہے۔ ولی سے پہلے بھی شاعر ہوئے تھے لیکن ان کی زبان غیر واضح اور دائرہ فکر بہت محدود تھا، زیادہ تر مثنوی کا رواج تھا۔ دکنی زبان موجودہ اردو سے بہت زیادہ مختلف تھی۔ ولی نے اپنی متوازن طبیعت سے فارسی، دکنی اور شمال کی زبان کو اس طرح ملا کر ایک کیا کہ وہ علاقائی سطح سے بلند ہو کر ہمہ گیر ہو گئی۔

مولانا آزاد نے ان کو اردو شاعری میں وہی مقام دیا ہے جو انگریزی شاعری میں چاسر اور فارسی شاعری میں رودکی کو حاصل ہے۔ ولی کا یہ کمال ہے کہ انھوں نے اردو شاعری کے جو فارم اور سانچے ڈھالے وہ آج تک موجود ہیں اور غزل کے ساز پر جو نغمے انھوں نے چھیڑے دنیائے غزل میں آج تک ان کی صدائے بازگشت سنائی دے رہی ہے۔

یوں تو ولی کی کلیات میں مثنوی، قصیدے،
قطعات، خمسے سب ہی کچھ ہیں لیکن جس چیز نے انھیں شہرت
دوام بخشی وہ غزل ہے۔ غزل جو حدیث دل، نغمۂ حسن و
عشق سے عبارت ہے۔ میر تقی میر کہتے ہیں سو

خوگر نہیں کچھ یوں ہی ہم ریختہ گوئی کے
معشوق جو تھا اپنا باشندہ دکن کا تھا

اس شعر میں میر نے جس باشندہ دکن کو فرط محبت سے معشوق کہہ کر یاد کیا ہے اور جس کے کلام نے خود میر کے لفظوں میں انھیں ریختہ گوئی پر مائل کیا، وہ ولی دکنی ہیں۔ بے شک اردو شاعری ان کے احسان سے گراں بار ہے۔ انھیں نظم اردو کی نسل کا بابا آدم کہا گیا اور ان کے سر پر اولیت کا تاج بھی رکھا گیا لیکن یہ کہہ کر اس کی تردید بھی کی گئی کہ ولی سے پہلے اردو کے کئی شاعر گزرے اور ان میں صاحب دیوان بھی تھے۔ مگر اس حقیقت سے کون انکار کر سکتا ہے کہ شمالی ہند میں اردو شاعری کا چرچا ولی کا رہین منت ہے۔

ولی ۱۷۰۰ء میں دہلی آئے اور ادبی محفلوں میں عوامی زبان میں کہے گئے اپنے اشعار سنائے تو اہل محفل کو ایک مسرت آمیز حیرت ہوئی کہ بول چال کی جس زبان کو وہ حقارت ریختہ کہتے تھے اس میں ایسے دلکش شعر بھی کہے جا سکتے ہیں۔ یہیں ان کی ملاقات صوفی سعد اللہ گلشن سے ہوئی۔ انھوں نے فارسی کے شیریں الفاظ استعمال کرنے اور فارسی شاعری کے مضامین کو اپنی زبان میں ادا کرنے کا مشورہ دیا۔ دونوں باتیں ان کے دل کو لگیں۔

ولی سوں کہے تو اگر اک بچن
رقیباں کے دل میں کٹاری لگے

معاملاتِ حسن و عشق میں بھی جو موضوع انھیں سب سے زیادہ عزیز ہے وہ ہے محبوب کا سراپا۔ وہ اس کے ایک ایک انگ کا جلوہ سو سو رنگ سے دکھاتے ہیں اس کی زلف، چشم و ابرو، و رخسار، قد و قامت کا بیان بار بار لطف لے کے کرتے ہیں۔ ان کے دیوان کا ہر صفحہ اس بیان سے رنگین ہے۔ صرف چند مثالیں یہاں پیش کی جاتی ہیں —

موجِ دریا کوں دیکھنے مت جا
دیکھ اس زلفِ عنبریں کی ادا

اے ولی دل کوں آب کرتی ہے
نگہِ چشمِ سرمگیں کی ادا

مکھ ترا آفتابِ محشر ہے
شور اس کا جہاں میں گھر گھر ہے

ماہِ نو تجھ بھواں پہ کرکے نظر
سوئے مغرب چلا ہے از رہ قفا

ہر جھلک دیتی ہے تجھ رخ کی
آرسی کوں درسِ حیرانی ہنوز

تجھ کمر کوں دیکھ حیراں ہو رہا
مو قلم کے ہاتھ میں مانی ہنوز

وہ نازنیں ادا میں اعجاز ہے سراپا
خوبی میں گل رخاں سوں ممتاز ہے سراپا

جگ کے ادا شناساں ہے جن کی فکر عالی
تجھ قد کوں دیکھ بولے یو ناز ہے سراپا

(جاری۔۔۔)

(ب) ولی دکنی کی غزلوں کی خصوصیات

مجنوں ہے کہ ولی کو اپنے محبوب کا سراپا النوری کا مکمل قصیدہ نظر آتا ہے ——

کوں تو سر سوں قدم تلک اے شوخ
گویا ہے قصیدہ النوری کا

ولی کی عشقیہ شاعری کی ایک اہم خصوصیت اس کا نشاطیہ مزاج ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ ——

ولی وصل و جدائی سوں صنم کی
کبھو صحرا کبھو گلزار ہیں ہم

لیکن ہجر کا ذکر تو بس کوئی لفظ بیان کا لیے ہے۔ ورنہ اصلیت تو یہ ہے کہ وہ وصال کے شاعر ہیں اور ہمیشہ وصل گل و گلزار کی طرح شگفتہ و شاداب رہتے ہیں۔

ولی عشق پیشہ ہیں اور عاشقی ان کے مزاج میں داخل ہے خواہ وہ حقیقی ہو خواہ مجازی (شغل ہمیشہ ہے عشق بازی کا —— کیا حقیقی و کیا مجازی کا) لیکن وہ ایک صوفی بھی ہیں اور ایک معروف سلسلۂ تصوف میں بیعت۔ اس لیے ان کے کلام میں تصوف کے مضامین بھی ملتے ہیں۔ بلکہ وہ بھی کبھی تو عشق مجازی کو عشقِ حقیقی کا پردہ قرار دیتے ہیں۔

وہ فلسفۂ وحدت الوجود کے قائل ہیں۔ دیگر صوفیا کی طرح ان کا عقیدہ بھی یہ ہے کہ کائنات میں اللہ تعالیٰ کی ذات تو اصل ہے۔ باقی جو کچھ ہے وہ اس کی پرچھائیں ہے۔ ہم ان پرچھائیوں میں الجھ کر رہ جائیں اور اصل شے کو نہ دیکھ سکیں تو یہ ہماری نظر کا قصور ہے ورنہ اس کا حسن تو ہر طرف بے نقاب ہے دیکھیے اس مضمون کے چند شعر ——

عیاں ہے ہر طرف عالم میں حسنِ بے حجاب اس کا
بغیر از دیدۂ حیراں نہیں جگ میں نقاب اس کا

ہوا ہے مجھ پہ شمعِ بزمِ یک رنگی سے یوں روشن
کہ ہر ذرّہ سے ابر تاباں ہے دائم آفتاب اس کا

حسن تھا پردۂ تجرید میں سب سوں آزاد
طالبِ عشق ہوا پردۂ انسان میں آ

شاعری دراصل ان تجربات کا اظہار ہے جن سے شاعر دوچار ہوتا ہے۔ ولی اپنے تجربات کو خوش اسلوبی کے ساتھ پیش کرنے کا سلیقہ رکھتے ہیں مگر ان کے تجربات کا دائرہ محدود ہے۔ وہ عشقِ مجازی کے دائرے سے باہر قدم مشکل ہی سے رکھتے ہیں۔ بہت ہوا تو عشقِ حقیقی کی کیفیت کا بیان کر دیا۔ اس کے علاوہ گنتی کے محض چند موضوعات ہیں جو ان کے کلام میں نظر آتے ہیں مثلاً چند عام سی نصیحتیں، دنیا کی ناپائیداری کا ذکر اور افلاس جیسی لعنت کی مذمت۔ دیکھیے چند مثالیں —

ہراں سوں مل، منشوا لنح ہو، سروری یہ ہے
سنبھال گشتیِ دل کوں، قلندری یہ ہے

نکال خاطرِ فاتر سوں جامِ جم کا غم
صفا کر آئینۂ دل، سکندری یہ ہے

مفلسی سب بہار کھوتی ہے
مرد کا اعتبار کھوتی ہے

موضوعات کی یہ تنگ دامانی ولی کو میر و غالب کے ہم پلہ نہیں ہونے دیتی۔ سبب یہ کہ ان کی شاعری کا کینوس نہایت مختصر ہے۔

(جاری ....)

ولی دکنی اور اردو غزل

دہلی سے دکن جانے کے بعد ولی نے ان مشوروں پر عمل جاری رکھا اور انیس سال بعد جب ان کا دیوان دہلی لیجایا گیا تو بقول محمد حسین آزاد ــــ

"اشتیاق نے ادب کے ہاتھوں پر لیا۔ قدردانی نے غور کی آنکھوں سے دیکھا۔ لذت نے زبان سے پڑھا۔ گیت موقوف ہو گئے۔ قوال معرفت کی محفلوں میں انہی کی غزلیں گانے بجانے لگے۔ ارباب نشاط یاروں کو سنانے لگے۔ جو طبیعت موزوں رکھتے تھے انھیں دیوان بنانے کا شوق ہوا۔"
(آب حیات)

اور کیوں نہ ہوتا ولی کا دیوان ایسی دلکش غزلوں کا مجموعہ ہے کہ دل اس پر مائل ہوئے بغیر نہیں رہتا۔

ولی بنیادی طور پر حسن و عشق کے شاعر ہیں۔ محبوب کے حسن و جمال کا ذکر، اس کے قد و قامت کا بیان، اس کی مختلف اداؤں کی تصویر کشی، ان کی شاعری کے خاص موضوع ہیں۔ کبھی انھیں وہ تنہائی کی رات یاد آتی ہے جب ان کے اور محبوب کے درمیان سرگوشی کے انداز میں رازونیاز کی باتیں ہوتی تھیں۔ کبھی یاد آتا ہے کہ وہ خراماں خراماں ان کے گھر چلا آتا تھا۔ کبھی یاد آتا ہے کہ وہ ولی سے مخاطب ہوتا تو رقیب رشک سے جل مرتے تھے۔

عجب کچھ لطف رکھتا ہے شب خلوت میں گل رو سوں
خطاب آہستہ آہستہ جواب آہستہ آہستہ

ادا و ناز سوں آتا ہے وہ روشن جبیں گھر سوں
کہ جیوں مشرق سے نکلے آفتاب آہستہ آہستہ

اسی غزل کے دو اور شعر دیکھیے ـــــ

عجب کچھ لطف رکھتا ہے شبِ خلوت میں گل رو سوں
خطاب آہستہ آہستہ، جواب آہستہ آہستہ

ولی مجھ دل میں آتا ہے خیالِ یارِ بے پروا
کہ جیوں انکھیاں منیں آتا ہے خواب آہستہ آہستہ

کلامِ ولی کی ایک بڑی خصوصیت ہے موسیقی۔ ان کے زیادہ تر اشعار پڑھئے تو ایک دلکش ترنم پیدا ہوتا ہے۔ وہ غزل جس کی ردیف "آہستہ آہستہ" ہے اس کی ایک مثال ہے۔ ان کا دیوان ایسی مثالوں سے بھرا پڑا ہے۔

شاعری میں جس طرح تصویری یعنی پیکر تراشی ضروری ہے اسی طرح موسیقی یا ترنم بھی ضروری ہے۔ موسیقیت کے بغیر شعر میں دلکشی پیدا ہو ہی نہیں سکتی۔ ولی بالعموم ایسی ردیفیں اختیار کرتے ہیں جن سے موسیقی پیدا ہوا۔ مثلاً ـــــ

مرا کسوں مل مشوالمنع ہو کسروری بس ہے
سنبھال کشتیِ دل کوں قلندری بس ہے

یہاں لفظ 'بس' سے زور پیدا ہو رہا ہے، یعنی مطلوب ادا کرنے میں سہولت ہو رہی ہے۔ اس کے علاوہ شعر کی موسیقی میں اضافہ ہو رہا ہے۔ موسیقیت کے تعلق سے اندازہ ہوتا ہے کہ ولی اس راز سے واقف ہیں اور کوشش کر کے اپنے شعروں کو زیادہ سے زیادہ مترنم بناتے ہیں۔ کولرج نے کہا ہے کہ لفظوں کی بہترین ترتیب نثر ہے اور بہترین لفظوں کی بہترین ترتیب شعر۔

کلام ولی کی اصل خوبی ہے رعنائی بیان۔ کامیاب شاعر اپنے تجربے یعنی اپنے دل پر گزری ہوئی کیفیت کو زیادہ سے زیادہ پرکشش انداز میں پیش کرنے کی کوشش کرتا ہے اور اس کے لئے مختلف تدبیروں سے کام لیتا ہے۔ انھیں فنی تدابیر یا شعری تدابیر کہا جا سکتا ہے۔

ولی کو حسین اور رنگین تصویریں بنانے میں بڑی مہارت حاصل ہے۔ مصور رنگوں سے تصویر بناتا ہے۔ تصویریں شاعر بھی بناتا ہے مگر اس کا میڈیم یعنی ذریعۂ اظہار مختلف ہے۔ اس کی تصویر لفظوں سے بنائی ہوئی ہوتی ہے۔ یہ فنی تدابیر امیجری یا پیکر تراشی کہلاتی ہے۔ ولی کو پیکر تراشی کا فن خوب آتا ہے۔ ان کا دیوان بے شمار رنگین تصویروں کا البم ہے اور زیادہ تر جیتی جاگتی تصویریں ہیں۔ یہ بات بھی یاد رکھنے کی ہے کہ تشبیہ اور استعارہ تصویر کشی میں بہت معاون ہیں۔ مثلاً جب شاعر کہتا ہے کہ میرا محبوب اپنے گھر سے ادا و ناز کے ساتھ اس طرح اٹھلاتا ہوا نکل کر آتا ہے جیسے سورج مشرق سے نکل کر آہستہ آہستہ مغرب کی طرف بڑھتا ہے، تو بات صاف ہو جاتی ہے یعنی ولی کے محبوب کا چہرہ سورج کی طرح دمکتا ہے۔ دوسرے وہ سورج کی طرح سست خرام ہے۔ اتنے آہستہ چلتا ہے کہ چلتا ہوا نظر نہیں آتا۔ گویا شاعر نے مکمل تصویر کھینچ دی ہے۔ اور اب دیکھیے ولی کا شعر ——

ادا و ناز سوں آتا ہے وہ روشن جبیں گھر سوں
کہ جیوں مشرق سے نکلے آفتاب آہستہ آہستہ

(S-2-CC-03)

ولی کی غزل گوئی کی انفرادیت

Page No:
Date: / /

ولی نے پرانی شاعرانہ روایات کی بہترین
اور زندہ روایات اور صحت مند اقدار کو اپنی شاعری کی روح
میں جذب کر لیا ہے اور تمام آوازوں کو اپنی آواز میں سمو لیا
ہے جس سے ان کی شاعری میں قدیم دور کی روح بولتی ہوئی
نظر آتی ہے جو اپنے دامن میں آنے والی نسلوں کے لئے نئے
امکانات بھی رکھتی ہے۔ ولی نے ہندی و فارسی کے امتزاج
سے اپنے فن میں اتنی شیرینی، حلاوت اور لطافت پیدا
کر دی ہے کہ وہ بے ساختہ پیارے دامن دل کو چھو لیتی
ہے۔ ان کی شاعری میں پائی جانے والی اثر انگیزی کی ایک وجہ
یہ بھی ہے کہ انھوں نے اپنی شاعری کے ایوان کو بیرونی عناصر کے
بجائے مقامی عناصر اور ملکی روایات کے جلوؤں سے زینت
بخشی ہے۔ انھوں نے آنے والی نسلوں کے لئے فکر و فن کے ان
گنت چراغ روشن کئے اور نئے نئے امکانات پیدا کئے۔ جمیل جالبی
اس حقیقت کا اعتراف کرتے ہوئے لکھتے ہیں:-

"غرض کہ ولی کی شاعری میں اتنے پہلو، اتنے موضوعات
اتنے تجربات زندگی سمٹ آئے ہیں کہ جس پہلو سے اردو غزل
کو دیکھئے اس کی واضح ابتدا ولی سے ہوتی ہے۔ ولی کی غزل میں
اردو غزل کی کم و بیش وہ ساری آوازیں سنائی دیتی ہیں
جو سراج سے لے کر داغ تک مختلف شاعروں کی نشانیاں
بنیں اور جن سے آج تک بزم سخن کی شمع روشن ہے۔"

اس طرح ولی نے فارسی اور ہندی
زبان کی بہترین شعری روایات کو اپنی غزلوں میں سمو کر
اور شاعری کو حیات انسانی کی تفسیر بنا کر اردو شاعری

کو وسعت بخشی۔ دیکھیے اب کلامِ ولی میں ہندی الفاظ
کا استعمال اور ہندی تہذیب کی عکاسی ——

اندوہ غم کی بات مرے باج بن گئی
آواز میری آہ کی پی ناگن گئی

سرمے کا جامہ سیاہ کیا اس نے جگ میں
جس کے نین میں ہوئی خاک جل گئی

اب تک ولی بہار نے دکھایا نہیں درس
جیوں شمع انتظار میں ساری رین گئی

کوچۂ یار عین کاسی ہے
جوگیِ دل وہاں کا باسی ہے!

اے صنم تجھ جبیں اُپر یہ خال
ہندوے ہر دوار باسی ہے
زلف تیری ہے موج جمنا کی
تل نزک اس کے جیوں سناسی ہے

ولی کے کلام میں ایسے الفاظ بھی ملتے ہیں جن کا
استعمال برسوں پہلے ترک کر دیا گیا اور جنہیں آج متروک کیا
جاتا ہے لیکن ایسے اشعار کی بھی کمی نہیں ——

دیکھنا ہر صبح تجھ رخسار کا —— ہے مطالعہ مطلعِ انوار کا
چاہتا ہے اس جہاں میں گر بہشت —— جا تماشا دیکھ اس رخسار کا
اے ولی کیوں سن سکے ناصح کی بات —— جو دِوانا ہے پری رخسار کا

محسوس ہوتا ہے کہ یہ شعر بالکل آج کی زبان میں
لکھے گئے ہیں۔ یہی نہیں بلکہ ان کے اشعار میں جو شعری تجربات
پیش ہوئے ہیں وہ بھی تر و تازہ ہیں۔ اسی میں ولی کی عظمت کا راز
پوشیدہ ہے۔ یقین ہے کہ ان کے کلام کی دلکشی ابد تک قائم رہے گی۔